20

ہندوؤں سے چھوت چھات کوئی مذہبی مسئلہ نہیں

(فرمودہ ۱۵؍ جون ۱۹۲۳ء)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

ہر ایک چیز کے دو مقصد ہوتے ہیں ایک وہ مقصد جس کو وہ پورا کر رہی ہوتی ہے اور ایک مقصد جس کے پورا کرنے کے لئے وہ بنائی جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص ایک مکان بناتا ہے اس مکان کے بناتے وقت اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس کا مال محفوظ ہو جائے۔ اپنے مال کو محفوظ کرنا مکان کے بنانے کی غرض ہے۔ مگر بعض نقائص کی وجہ سے وہ مکان چوروں کی نقب زنی سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس کا مال چوری ہو جاتا ہے۔ گو وہ سردی اور گرمی اور بارش سے اس مکان کے ذریعہ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ایک اور شخص ایک مکان بارش سردی گرمی سے محفوظ ہونے کے لئے بناتا ہے۔ بعض نقائص کے رہ جانے کی وجہ سے وہ مکان اس مقصد کو تو پورا نہیں کرتا جس کے لئے بنایا گیا تھا یعنی مالک مکان بارش سے کما حقہ محفوظ نہیں رہتا مگر چوری وغیرہ سے اس مکان سے اس کا مال محفوظ ہو جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جس مقصد کے لئے کوئی چیز بنائی جاتی ہے وہ اور ہوتا ہے اور جو مقصد وہ چیز پورا کر رہی ہوتی ہے وہ اور ہوتا ہے۔ مثلاً ایک بادشاہ اپنے شہر کے ارد گرد ایک فصیل بناتا ہے کہ شہر دشمن کے حملہ سے محفوظ رہے۔ ممکن ہے کہ وہ دیوار یا فصیل دشمن کو نہ روک سکے مگر اس کے ذریعہ سے اور فوائد حاصل ہوں۔

سو ایک مقصد تو ہر چیز کا وہ ہوتا ہے جس کو وہ پورا کر رہی ہے اور دوسرا وہ ہوتا ہے جو اس کے بنانے والا کا ہوتا ہے۔ ماں باپ بچوں کو پڑھاتے ہیں ان کی تعلیم سے ان کا مطلب مثلاً یہ ہوتا ہے کہ وہ دین کی خدمت کریں مگر بعض دفعہ وہ بچے دہریہ ہو جاتے ہیں۔ گو اس تعلیم کے ذریعہ سے وہ اپنی معاش کو کما لیتے ہیں۔ پس ہر چیز اپنے اندر دو مقصد رکھتی ہے۔ ایک وہ جس کو وہ پورا کر رہی ہے اور ایک وہ مقصد جس کے پورا کرنے کے لئے وہ بنائی گئی ہے۔ اب حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ وہ مقصد جس کو وہ چیز پورا کر رہی ہوتی ہے اس مقصد سے بڑا ہوتا ہے جو اس کے بنانے والے کے مدنظر ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ مدنظر مقصد بہت اعلیٰ ہوتا ہے مگر وہ اس کو پورا نہیں کر رہی

ہوتی۔ یا جو مقصد وہ چیز پورا کر رہی ہوتی ہے وہ ادنیٰ ہوتا ہے۔ اگر وہ مقصد جس کے لئے وہ چیز بنائی گئی ہے اعلیٰ ہو اور جو کام وہ کر رہی ہے ادنیٰ ہو تو اس کو ترقی دی جا سکتی ہے۔ یہ تو ان چیزوں کا حال ہے جن کو انسان بناتا ہے۔ لیکن جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ بناتا ہے ان کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ وہ بھی دو مقاصد اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اور گو وہ مقصد جس کے لئے بنائی جاتی ہیں ہر بار پورا نہیں ہوتا مگر انسان کی بنائی ہوئی چیزوں کی طرح وہ اپنے مقررہ مقصد سے آگے نہیں نکل سکتیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ پر عیب آتا ہے۔ پھر آگے مقاصد دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ مقاصد جن کو ہر حال میں پورا کرنا ہوتا ہے۔ اور ایک وہ مقاصد جن کو ہر حال میں پورا کرنے سے ان مقاصد کی غرض ہی باطل ہو جاتی ہے اگر جبر سے ان کو پورا کیا جائے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کی روحانی ترقیات حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ اس کی پیدائش کی غرض ہے۔ جیسے فرماتا ہے۔ **ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** (الذّٰریٰت : ۵۷) لیکن اگر اللہ تعالیٰ جبری طور پر انسان کو عبد بناتا اور اس کو اپنے افعال میں اختیار نہ دیا جاتا تو وہ مستحق انعام نہ ٹھہرتا اور اس کے عبد بنانے کی غرض باطل ہو جاتی اور انسان کی مثال ایسی ہو جاتی جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کو پیاس لگی ہوئی ہے دوسرا اس کو پانی لا کر دیتا ہے۔ اس کی پیاس بجھ جاتی ہے۔ پانی لانے والے انسان کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ مگر پانی کا کوئی شکریہ ادا نہیں کرتا حالانکہ پیاس پانی سے بجھائی گئی تھی۔ اس لئے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ پانی پیاس بجھانے کے فعل میں مجبور ہے۔ وہ مستحق شکریہ نہیں۔ یہی حال حالت جبر میں انسان کا ہو جاتا ہے اور اس کی پیدائش کا مقصد برباد ہو جاتا ہے۔ انسان کو اپنے افعال میں اختیار دیا گیا ہے جس کا بعض دفعہ یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ جس مقصد کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے اس کو پورا نہیں کرتا بلکہ بسا اوقات اس مقصد کے راستہ میں روک ہو جاتا ہے۔ جیسے ابوجہل، محمد حسین، ثناء اللہ وغیرہ نہ صرف یہ کہ وہ اس مقصد کو پورا نہیں کرتے۔ جس کے لئے وہ پیدا کئے گئے تھے بلکہ اس مقصد کے راستہ میں روک ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہاں پر ان پر جبر نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کی غرض **ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** کہہ کر فرمایا کہ انسان اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر جذب کرے اور پھر ان کا جلوہ دنیا میں دکھائے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ جب وہ کسی سے کوئی سلوک کرتا ہے تو اس کا وہ سلوک ایک قانون کے ماتحت ہوتا ہے۔ انسان کی طرح وہ سلوک اندھا دھند نہیں ہوتا۔ ابوجہل نے خدا کے سب سے پیارے رسولؐ کی مخالفت کی۔ لیکن خدا کا سورج ابوجہل کے لئے بھی ایسا ہی چڑھ رہا تھا جیسا محمد رسول اللہ کے لئے۔ اسی طرح اس کی آنکھ، کان، ناک، معدہ کو اپنے اپنے کام کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ملتی تھی جیسے محمد رسول اللہ کی آنکھ، کان، ناک،

معدہ کو۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد مل رہی تھی۔ ابو جہل سے اس بات میں مدد اور نصرت چھینی گئی جس میں اس نے محمد رسول اللہ کی مخالفت کی اور چھینی بھی اس لئے گئی کہ اس نے خود ان روحانی دروازوں کو اپنے اوپر بند کر دیا جو خدا نے کھولے ہوئے تھے۔ اگر ایسے لوگ ان دروازوں کو کھول دیں تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی طرف سے بند کئے ہوئے دروازوں کو کھول دیتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ وہ صرف اس معاملہ کو دیکھتا ہے جس کے متعلق اس نے سلوک کرنا ہوتا ہے اور وہ سلوک اس معاملہ تک ہی محدود رہتا ہے۔ پس چونکہ انسان کی پیدائش کی غرض اللہ تعالیٰ کی صفات کا اپنے اندر جذب کرنا اور اپنے افعال سے ان کا اظہار کرنا ہے۔ اس لئے انسان کا فرض ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے انسان سے کسی کام میں مخالفت کرے تو اپنی مخالفت کو اسی کام تک محدود رکھے۔ نبیوں اور خدا کے پیاروں نے اور قوم کے افراد نے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا اظہار اپنے افعال سے کیا۔ مگر کسی جماعت نے من حیث الجماعت اس صفت الٰہی کو نہیں دکھایا۔ حالانکہ انسان کی پیدائش کی غرض ہی یہ تھی کہ وہ خدا کی صفات کا اظہار کرے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت کے اظہار میں بہت کمی ہے۔ مثلاً ایک امام الصلوٰۃ ہوتا ہے۔ اس کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک حیثیت اس کی امام ہونے کی ہوتی ہے اور ایک حیثیت عام انسان ہونے کی۔ دیکھا گیا ہے کہ اگر اس امام سے کسی ذاتی شخصی معاملہ میں ناراضگی ہوئی تو نمازوں میں آنا چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس بات کی پروا نہیں کی جاتی کہ اس ناراضگی کو اس حد تک محدود رکھیں جہاں تک اس کے انسان ہونے کا تعلق ہے۔ اور ان کا حق نہیں کہ نمازوں میں آنا چھوڑ دیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ ابو جہل رسول اللہ کا مقابلہ کرے اور خدا اس کی روٹی بند کر دے۔ اگر کوئی انسان خدا کا مظہر بننا چاہتا ہے تو خدا کی صفات کو اپنے اندر داخل کرے اور اپنے افعال سے ان کا اظہار کرے۔ اس کا انعام خدا کے انعام کے لئے غیر محدود مگر اس کا غضب اس کی ناراضگی خدا کے غضب اور اس کی ناراضگی کی طرح محدود ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ورحمتی وسعت کل شیءٍ** (الاعراف : ۱۵۷) لیکن غضب کے متعلق یہ نہیں فرمایا اور **کل شیءٍ** میں غضب' عذاب' ناراضگی' شدید العقاب ہونا عزیز و انتقام ہونا سب کچھ آجاتا ہے۔ ان سب پر خدا کی رحمت حاوی ہے۔ پس ہمارا رحم غیر محدود ہونا چاہیئے اور ہمارا غضب اور ناراضگی محدود۔ مگر افسوس ہے کہ رحم تو محدود رہتا ہے اور غضب وغیرہ غیر محدود ہو جاتے ہیں۔ جس سے ایک دفعہ ناراضگی ہوئی اس کی طرف تمام عیوب منسوب کئے جاتے ہیں۔ ایک شخص کو ایک دفعہ جھوٹ بولتا ہوا دیکھ کر اس کی تمام باتوں کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کو ایک دفعہ سچ بولتے ہوئے دیکھ کر اس کی تمام باتوں کو سچا نہیں سمجھتے۔ ان کا رحم محدود اور ان کا غضب' ناراضگی' بد ظنی غیر محدود ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ

تعالیٰ کا معاملہ اس کے الٹ ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کا پیارا اور محبوب نہیں بن سکتا جب تک وہ خدا تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر نہیں لیتا۔ اس بات کو اگر مد نظر نہ رکھا جائے تو بہت سے نقائص اور فسادات پیدا ہوتے ہیں۔

مسلمانوں نے خلافت کے سوال کو چھیڑا۔ ہم ان طریقوں کے مخالف تھے جو وہ خلافت کے سوال کو حل کرنے کے لئے برتتے تھے۔ مگر ہمیں ان سے ہمدردی تھی کہ وہ ان کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ مسلمانوں میں اس وقت یہ رو چل رہی تھی کہ جو مسئلہ خلافت میں ہمارے ساتھ نہیں ہوتا اس کو مٹا دینا چاہیئے۔ وہ نہیں دیکھتے تھے کہ باقی کتنی باتوں میں ہم اور باقی دوسرے لوگ بھی ان کے موافق تھے۔ ہم نے کہا کہ ہم آدمی روپیہ سامان اسلام اور حکومت ٹرکی کی موافقت میں تبلیغ کے لئے دینے کو تیار ہیں۔ مگر ہم سلطان ٹرکی کو اپنا خلیفہ نہیں مان سکتے لیکن مسلمانوں نے اس بات کو نہ مانا اور ہمارے متعلق اپنے غضب اور ناراضگی کو غیر محدود کر دیا۔ اور کہا کہ ان کو مٹا دو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احمدی شیعہ وغیرہ الگ ہو گئے۔ اس لئے ان کا سلوک گورنمنٹ سے بھی ایسا ہی رہا۔ لیکن انہوں نے جوش میں کچھ نہ سوچا۔ مگر ہمیں ان سے ہمدردی ہی رہی کیونکہ حضرت مسیح موعود فرما چکے تھے۔

اے دل تو نیز خاطر ایناں نگاہدار
کاخر کنند دعویٰ حبِّ پیمبرم

محمد رسول اللہ کی خاطر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا لحاظ کیا اور ان کی حالت پر رحم کر کے جلدی ہی ان کی آنکھیں کھول دیں کہ ان کا راستہ غلط ہے۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ ایک اور غلطی شروع ہو رہی ہے۔ ہندوؤں میں اور ہم میں ایک اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ ہندوؤں میں اور مسلمانوں میں لوگ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ یہ اختلاف صرف ایک بات میں ہے۔ وہ اس اختلاف کو تمام باتوں پر حاوی کرنا چاہتے ہیں۔ ہندو اس بات سے شاکی ہیں کہ مسلمان کیوں اپنے حقوق مانگتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ واقعہ میں وہ حقوق ہیں بھی یا نہیں۔ لیکن انہوں نے اس پروٹسٹ میں مسلمانوں کی ہر معاملہ میں مخالفت شروع کر دی ہے۔ جس کا نتیجہ فسادات ملتان وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ شدھی تحریک میں ایک بہت بڑا انکشاف ہوا ہے۔ ملکانے اس لئے بھی ہندو ہو رہے ہیں کہ ہندو چونکہ مسلمانوں کے ہاتھ کا نہیں کھاتے اور مسلمان ہندوؤں کے ہاتھ کا کھا لیتے ہیں۔ اس لئے معلوم ہوا کہ ہندو مسلمانوں سے زیادہ معزز ہیں۔ اس لئے وہ ہندوؤں کو معزز سمجھ کر ہندو ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ویدوں میں چھوت چھات کا کہیں ذکر نہیں۔ وہ تو گائے کے کباب کو بھی جائز قرار دیتے ہیں اور گائے کے کباب کو ہندوستان میں پہلے استعمال کیا بھی گیا ہے۔ لیکن کسی نہ کسی طرح سے انہوں

نے چھوت چھات کو مذہب کا جزو بنا لیا ہے۔ اسلام میں چونکہ چھوت چھات نہیں ہے اس لئے مسلمانوں نے اس کو اختیار نہ کیا۔ مگر چونکہ شریعت اس معاملہ میں چپ ہے اور کوئی خاص حکم نہیں دیتی۔ اس لئے موقعہ محل کے مناسب ہم اسلام اور اپنی حفاظت کے لئے جو طریقہ حفاظت ہمیں ملے اس کو اختیار کر سکتے ہیں۔ شریعت نے ہمیں حکم نہیں دیا کہ ہم غیروں کا نہ کھائیں۔ مگر یہ بھی نہیں کہا کہ ہم ضرور ہی کھائیں۔ اب چونکہ ہندو مسلمانوں سے چھوت چھات کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ شدھ ہونے والے ملکانے ہندوؤں کو معزز اور مسلمانوں کو ذلیل سمجھ کر ہندو ہو رہے ہیں اس لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ بھی ہندوؤں سے چھوت چھات کریں تاکہ ہندو معزز اور مسلمان ذلیل نہ سمجھے جائیں اور تب تک ان کے ہاتھ کا نہ کھائیں جب تک موجودہ حالات بدل نہیں جاتے۔ کیونکہ ہندوؤں کے ہاتھ کے کھانے کی ہمیں صرف اجازت ہے۔ حکم کوئی نہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ مسلمان ہندوؤں کے ہاتھ کا نہ کھائیں۔ نہ اس لئے کہ **انما المشرکون نجس** (التوبہ : ۲۹) کے ماتحت وہ نجس ہیں۔ مذہبی طور پر ان کے ساتھ چھوت چھات کرنے کا ہمیں حکم نہیں۔ وہ ایسے ہی اہل کتاب ہیں جیسے یہودی اور عیسائی ہیں۔ ان سے چھوت چھات شریعت کے حکم کے ماتحت نہیں بلکہ حالات سے مجبور ہو کر کی جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے ہے کہ شریعت کا یہ حکم نہیں کہ امرود نہ کھاؤ۔ مگر ہیضہ کے دنوں میں ہم امرود نہیں کھاتے۔ اس وقت ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانے سے ایک قوم روحانی طور پر مرتی ہے۔ اس لئے ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا چھوڑ دو۔ نہ اس لئے کہ مذہب اس کا حکم دیتا ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اس بات کو بھی بہت زیادہ بڑھا لیا گیا ہے۔ مسلمانوں میں بعض جگہ یہ سوال پیدا ہو گیا ہے کہ اس کو مذہبی سوال بنالیں۔ اور ہندوؤں نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ مسلمان تو فساد کر رہے ہیں۔ مگر عجیب بات ہے کہ ہندو سینکڑوں سالوں تک مسلمانوں سے چھوت چھات کرکے تو فسادی نہیں لیکن اگر مسلمان ایک قوم کو روحانی موت سے بچانے کے لئے چھوت چھات اختیار کریں تو وہ فسادی ہیں۔ یہ غلط ہے اور حقیقت میں دونوں غلطی پر ہیں۔ ان اختلافات کے ہوتے ہوئے ہم ان سے اتحاد کر سکتے ہیں اور مدتوں ہم سے چھوت چھات کرنے کے باوجود ہم نے ان سے اتحاد رکھا ہے۔ لیکن جب ہم اس وقت ایک قومی مجبوری سے مجبور ہو کر ایسا کرنے لگے ہیں تو وہ کیوں ہم کو فسادی اور اپنا دشمن اور اتحاد شکن سمجھتے ہیں۔ یہ اسی تنگ دلی کا نتیجہ ہے کہ انسان اپنی پیدائش کی غرض کو نہیں سوچتا۔ پہلے مسلمانوں کا ہم سے لڑنا یہ ان کی غلطی تھی۔ اب ہندوؤں کا مسلمانوں سے چھوت چھات کے متعلق لڑنا اور مسلمانوں کا اس سوال کو مذہبی سوال بنانا غلطی ہے۔ اس وقت چھوت چھات کا سوال نہیں۔ حقیقت میں ایک قوم کی موت کا سوال ہے۔ اس قوم کو بتانے کے لئے کہ ہم ذلیل نہیں بلکہ ہم صرف مذہبی

اجازت سے ایسا کرتے تھے۔ تاکہ وہ روحانی موت سے بچے۔ ہم ایسا کرنے پر مجبور ہوئے ہیں اور یہ ایک مقررہ وقت تک ہے یا جب تک ہندو چھوت چھات نہ چھوڑ دیں۔ اگر مسلمان مسئلہ چھوت چھات کو مذہبی سوال بناتے ہیں تو وہ مذہب میں دست اندازی کرتے ہیں۔ میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ہر بات کو اس حد تک محدود رکھیں جہاں تک اس کا تعلق ہے۔ شدھی وہاں ہو رہی ہے۔ یہاں ہندو مسلمان ایک دوسرے کو مکانوں سے نکال رہے ہیں اور ایک دوسرے کا بائیکاٹ کر رہے ہیں۔ میں بمبئی گیا وہاں ۱۵ دن تک مکان تلاش کرتے رہے۔ پندرہ دن کے بعد ایک راجا کے دیوان کا مکان ملا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ جلدی مکان خالی کرا دے گا لیکن دوسرے دن جب اس کو کہا گیا تو اس نے اس بنا پر مکان دینے سے انکار کر دیا کہ دوسرے ہندوؤں نے اس کو منع کر دیا ہے کہ کسی مسلمان کو مکان نہ دیا جائے۔ یہ جھگڑے تو آج شروع ہوئے ہیں لیکن ہندوؤں نے اس طرز عمل کو مدتوں سے جاری کر رکھا ہے۔ مسلمان بہت زیادہ صاف ہوتے ہیں لیکن ہندو یہ بہانہ بنا لیتے ہیں کہ مسلمان مکان کو خراب کر دیتے ہیں۔ کوئی جو اس حد سے نکلتا ہے اور دشمن کو اس سے زیادہ نقصان پہنچاتا ہے جتنا اس کو دشمن سے پہنچتا ہے۔ وہ غلطی پر ہے۔ اس طرح انسانیت باطل ہو جائے گی اور درندگی بڑھ جائے گی ہماری رحمت وسیع ہونی چاہیئے اور ہماری ناراضگی اور غضب محدود ہونا چاہیئے۔ یہاں قادیان کے ہندوؤں نے ہمیں بہت تکلیفیں دی ہیں۔ منارۃ المسیح کے متعلق مخالفت کی کہ منارہ نہیں ہونا چاہیئے۔ حالانکہ تمام مسجدوں پر منارے ہوتے ہیں۔ منارہ کے مقدمہ کے متعلق یہاں تحصیل دار آئے۔ یہاں کے لالہ بڈھے شاہ تحصیل دار کے پاس موجود تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے تحصیل دار کو کہا۔ تحصیل دار صاحب اس بڈھے شاہ سے پوچھیئے کہ جب سے یہ پیدا ہوا ہے کونسی نیکی ہے جو میں نے اس سے نہیں کی اور کونسی برائی ہے جو اس نے مجھ سے نہیں کی۔ بڈھے شاہ نے شرمندگی سے سر نیچے ڈال لیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول نے یہاں کے ایک ہندو سے پوچھا کہ ہمارے یہاں آنے سے تمہیں کیا نقصان پہنچا؟ اس نے کہا کچھ نہیں بلکہ فائدہ ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تم ہمیں کیوں نقصان پہنچانے کی کوشش میں رہتے ہو۔ اس نے کہا کہ بس دل چاہتا ہے کہ آپ کو نقصان پہنچے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ جس حد تک کوئی ہم کو نقصان یا ضرر پہنچاتا ہے اسی حد تک اس کا مقابلہ کریں اور اس سے مقاطعہ کریں ورنہ اس حد کے باہر وہ ہمارے بھائی ہیں۔ ہندو کیا اس حد سے باہر چوڑھے بھی ہمارے بھائی ہیں۔ ہم ایک آدم کی اولاد ہیں۔ جس مقابلہ اور مقاطعہ تک اسلام کی حفاظت کا سوال ہے اس حد تک مقاطعہ کرو۔ جس حد تک مقاطعہ میں اسلام کی حفاظت کا سوال نہیں اور ہمارے مذہب کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا اس حد تک اپنے ہاتھ کو نیکی اور حسن سلوک سے روکنا انسانیت نہیں بلکہ وحشت ہے۔ میں اپنی جماعت کو

نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے ہر معاملہ میں اس بات کو مد نظر رکھیں۔

(الفضل ۲۵ جون ۱۹۲۳ء)